رہبر معظم انقلاب سید علی خامنہ ای (مد ظلہ العالی) کا دینی مدارس کے طلاب اور عہدیداروں سے خطاب

رہبر انقلاب اسلامی آیت اللہ العظمی خامنہ ای نے حسینیہ امام خمینی میں ملک بھر سے آنے والے دینی مدارس کے طلاب، افاضل کرام، اساتذہ اور عہدیداران سے ملاقات کرتے ہوئے فرمایا:

دینی درسگاہیں اسلام سکھانے کے مراکز ہیں۔ دین کو سمجھا جانا ضروری ہے، دین کی شناخت ضروری ہے، دین کا علم ضروری ہے، اس کی گہرائی تک پہنچنا ضروری ہے۔ تو اس کے لئے مرکز کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مرکز یہی حوزہ علمیہ ہے جو عالم دین پیدا کرتا ہے۔ دینی درسگاہیں اسلام کی تعلیم کے مراکز ہیں۔ اسلام صرف معرفت کا نام نہیں ہے۔ عمل کی پابندی اور اسلام کے احکامات کا نفاذ بھی اسلام کا جز ہے۔ یعنی کبھی یہ ہوتا ہے کہ ہم اسلام کو جسے ہم دینی درسگاہ میں سیکھنا چاہتے ہیں، صرف اصول دین، فروع دین اور اخلاقیات وغیرہ تک محدود سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ویسے یہ حقیقت ہے۔ یعنی اصول دین، فروع دین، اخلاقی اقدار، طرز زندگی، حکمرانی کے ضوابط، یہ ساری چیزیں اسلام کا جز ہیں اور اسلامی معارف کا حصہ ہیں تو ان ساری چیزوں کو ہمیں دینی درسگاہ سے سیکھنا چاہئے۔ لیکن یہ تصور ٹھیک نہیں ہے۔ یہ دینی درسگاہوں کے کاموں کا صرف ایک حصہ ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ یہ اسلام کا ایک حصہ ہے۔ اسلام کے دوسرے حصے بھی ہیں، جن میں ایک چیز ہے ان حقائق کو معاشرے کے اندر، عوام الناس کی ذہن کے اندر اتارنا اور نافذ کرنا۔ یعنی ہدایت۔ یہ بھی تو اسلام کا حصہ ہے نا! توحید کا ایک گہرا مفہوم ہے اس کے اندر ایک فلسفیانہ اور عرفانی گہرائی ہے لیکن اسلام صرف اسی توحید کے نظرئے تک محدود نہیں ہے۔ اسلام عبارت ہے معاشرے میں توحید کے نفاذ سے۔ یعنی پورا معاشرہ توحید کے رنگ میں ڈھلنا چاہئے۔ یہ بھی اسلام کا حصہ ہے۔

کیا آپ یہ نہیں کہتے؛ اَلعُلَماءُ وَرَثَۃُ الاَنبیاء؟ (۱) علمائے دین انبیا کے وارث ہیں نا؟! یہاں علماء سے مراد علمائے دین ہی تو ہیں۔ یہ انبیا کے وارث ہیں۔ یہ لوگ کرتے تھے؟ کیا انبیا اس لئے آئے کہ صرف دینی معارف و تعلیمات کو بیان کر دیں، یا نہیں بلکہ وہ اس لئے آئے کہ ان معارف و تعلیمات کو معاشرے میں عملی جامہ پہنائیں؟ یقینا آخر الذکر بات درست ہے۔: لَقَد اَرسَلنا رُسُلَنا بِالبَیِّناتِ وَ اَنزَلنا مَعَھُمُ الکِتابَ وَ المیزانَ لِیَقومَ النّاسُ بِالقِسط (۲) یقینا ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کیا تاکہ لوگ انصاف کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ یہ جو «لِیَقومَ النّاسُ

بِالقِسط» ہے یہ ظاہر کرتا ہے کہ عدل قائم کرنے کے لئے انبیاء کا ہونا ضروری ہے۔ یعنی انبیاء کے مشن اور معاشرے میں عدل کے قیام میں ایک رابطہ ہے۔ یہ «لام» جو «لِیَقومَ» میں ہے، یہ کون سا «لامِ» ہے؟ خواہ یہ «لامِ» علّیت ہو یا یہ «لامِ» غایت یعنی انجام و نتیجہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یعنی نبی کو معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔ چونکہ وہ معاشرے میں انصاف قائم کرنا چاہتا ہے اس لئے جدوجہد کرتا ہے۔ ورنہ اگر نبی کو عدل و انصاف قائم کرنے سے غرض نہ ہوتی تو توحید کو عملی میدان میں نافذ کرنے کی کوشش نہ کرتا۔ انداداللہ کو راستے سے ہٹانے کی ضرورت ہی نہ پیش آتی، جہاد کی کوئی احتیاج ہی نہ ہوتی۔ یہ «وَ کَاَیِّن مِن نَبِیٍّ قاتَلَ مَعَه رِبِّیّونَ کَثیرٌ فَما وَهَنوا لِماَ اَصابَهُم فی سَبیلِ الله» کتنے ایسے پیغمبر ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت بڑے گروہوں نے کارزار کیا اور اللہ کی طرف سے انھیں جو چیز سونپی گئی اس کے بارے میں کوئی تساہلی نہیں برتی۔ (۳) کس لئے ہے؟ انہوں نے کیوں جدوجہد کی؟ جہاد تمام انبیاء نے کیا۔ اب ان میں سے کچھ نے اس قتال میں کامیابی حاصل کی۔: قاتَلَ مَعَه رِبِّیّونَ کَثیر، بعض کامیاب نہیں ہوئے۔ ہمیں تمام انبیاء کی خبر نہیں ہے لیکن روایتوں میں ذکر ہوا ہے؛ اَوَّلُ مَن قاتَلَ فی سَبیلِ اللَهِ اِبراهیم؛ پہلا شخص جس نے راہ خدا میں جہاد اور قتال کیا وہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم تھے۔ (۴)۔ ہم قرآن میں حضرت ابراہیم کے حالات سے متعلق آیتیں پڑھتے ہیں تو ان میں کہیں یہ جملہ نہیں کہا گیا ہے لیکن روایت میں ہے۔ بقیہ انبیاء نے بھی قتال کیا، راہ خدا میں جہاد کیا ہے۔«قاتِلُوا الَّذینَ یَلونَکُم مِنَ الکُفّار» جو کفار تمہارے پڑوسی ہیں ان کے خلاف کارزار کرو۔ (۵) یا پھر «اَلَّذینَ ءامَنوا یُقاتِلونَ فی سَبیلِ الله» جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ راہ خدا میں قتال کرتے ہیں۔ (۶) یہ قتال اور جہاد کس لئے ہے؟

پیغمبر اکرم نے مدینہ ہجرت کرنے سے قبل، مدینے سے آنے والے افراد سے، اوس و خزرج کے نمائندوں سے بیعت لی اور کہا کہ اپنی جان و مال ہر چیز سے میرا ساتھ دو۔ انھوں نے قبول کیا۔ پیغمبر ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے۔ جب مدینے میں داخل ہوئے تو ایک دفعہ بھی یہ سوال نہیں کیا کہ حکمرانی بھی ہمارے ہاتھ میں ہے یا نہیں؟ سوال نہیں کیا۔ کیونکہ پہلے سے ظاہر تھا، سب جانتے تھے کہ وہ آئے ہیں تو حاکمیت، حکمرانی اور حکومت چلانے کی ذمہ داری ان کے دوش پر ہے۔ دین اسی لئے ہے۔: ما اَرسَلنا مِن رَسولٍ اِلّا لِیُطاعَ بِاِذنِ الله ہم نے کسی بھی پیغمبر کو نہیں بھیجا سوائے اس مقصد سے کہ اذن پروردگار سے اس کی اطاعت کی جائے۔ (۷) «لِیُطاعَ» کا مطلب صرف یہ نہیں ہے کہ اگر پیغمبر نے کہہ دیا کہ نماز پڑھو تو آپ نماز پڑھیں۔ نہیں، اس کا مطلب ہے زندگی کے تمام امور میں اطاعت و فرماں برداری، یعنی حکمرانی۔ تو یہ اسلام کا ایک حصہ ہے۔ یعنی اسلام کا ایک حصہ عبارت ہے

اسلامی معارف و تعلیمات سے، ان معارف میں علوم عقلیہ، علوم نقلیہ، اخلاقی قدریں، طرز زندگی اور طرز حکومت کی تشریح شامل ہیں۔ یہ سب اسلامی معارف کا جز ہیں اور ان کا علم ہونا ضروری ہے۔ یہ اسلام کا حصہ ہے۔ اسلام کا ایک اور حصہ ہے ان معارف کا زمینی سطح پر نفاذ۔ یعنی توحید عملی میدان میں نافذ ہونا چاہئے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ عملی طور پر نظر آئے کہ نبوت معاشرے کی قیادت کر رہی ہے۔ «اَلعُلَماءُ وَرَثَةُ الاَنبیاء» کو عملی جامہ پہنانا آپ کی ذمہ داری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ آپ ہر حال میں سماج کی قیادت سنبھالیں، حکومت کی شکل ممکن ہے کہ الگ الگ ہو، اس کی کئی قسمیں ہوں۔ لیکن آپ عالم دین کی حیثیت سے اور دینی امور کے ماہر کی حیثیت سے اپنا فریضہ سمجھیں کہ اسلام کو متن معاشرہ میں، لوگوں کی زندگی میں نافذ کریں۔ یہ ہمارا فریضہ ہے۔ یہی کام ہمارے بزرگوار امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) نے کیا۔ ایک صاحب نے علماء کی صنف کے منشور کی بات کی (۸) اور امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) کے اس تفصیلی خط کا ذکر کیا۔ علماء کی صنف کے منشور کو پڑھئے، بار بار پڑھئے۔ امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) حقیقت میں مدبر اور صاحب حکمت انسان تھے، صاحب حکمت صرف وہ نہیں ہے جو فلسفے سے آشنا ہو، حکمت و فلسفہ اس کے عمل میں، اس کی گفتار میں اور اس کی تحریر میں جھلکنا چاہئے۔

بنابریں دینی درسگاہوں نے جو حالیہ جدوجہد کی، یعنی وہ جدوجہد جس کے نتیجے میں اسلامی جمہوریہ کی تشکیل عمل میں آئی وہ جدوجہد امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) کے زیر قیادت انجام دی۔ یہ بعینہ وہی فریضہ ہے جو دینی مدارس کو انجام دینا چاہئے تھا۔ ایسا نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ دینی درسگاہوں نے انقلابی تحریک کے دوران کوئی ایسا عمل انجام دیا جو ان کے فرائض کے دائرے سے باہر تھا۔ بالکل نہیں۔ امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) کے ہاتھ میں قیادت تھی اور طلبہ، افاضل اور دینی درسگاہ سے بہت سے اکابرین ان کے ساتھ تھے، سب امام خمینی کی قیادت میں آگے بڑھے۔ ایک موقع پر میں نے ملک بھر میں وسیع سطح پر طلبہ کے حرکت میں آجانے کے اس عمل کی تشبیہ اس چیز سے دی جو اس آیہ کریمہ میں ذکر کی گئی ہے: (وَ اَوحیٰ رَبُّکَ اِلَی النَّحلِ اَنِ اتَّخِذی مِنَ الجِبالِ بُیوتًا وَ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمّا یَعرِشونَ، ثُمَّ کُلی مِن کُلِّ الثَّمَراتِ فَاسلُکی سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا یَخرُجُ مِن بُطونِها شَرابٌ مُختَلِفٌ اَلوانُه فیه) اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو الہام کر دیا کہ پہاڑوں، درختوں اور ان چیزوں سے جو انسان اپنے لئے اٹھا لیتے ہیں، اپنا گھر بنا اور اس کے بعد تمام ثمرات اور پھلوں سے غذا حاصل کر، اس کے بعد اپنے پروردگار کی راہوں میں جو تیرے لئے ہموار کی گئی ہیں اپنے چھتے کی جانب بڑھ۔ ان کے شکم سے گوناگوں رنگوں کا مشروب نکلتا ہے۔ (۹) میں نے کہا کہ ان کے پاس شہد بھی تھا اور ڈنک بھی تھا، شہد کی مکھی کی طرح۔ اس زمانے کا طالب علم جا کر لوگوں کو خبردار بھی کرتا تھا، بیدار بھی کرتا تھا، نوجوانوں کو انقلابی اقدار سے سیراب بھی کرتا تھا، راہ خدا میں اور راہ اسلام میں جہاد بھی کرتا تھا۔ جس پر حملہ کرنا

ہوتا تھا اسے ڈنک بھی مارتا تھا۔ یہ حقیقت امر ہے۔ یہ حوزہ علمیہ کی ذمہ داری تھی اور اس نے اس ذمہ داری پر عمل کیا۔ اس زمانے میں اسے وہ کام کرنا تھا اور آج جب بحمد اللہ اسلامی نظام وجود میں آ چکا ہے، تشکیل پا چکا ہے اور ہم اس کوشش میں ہیں کہ حقیقی معنی میں اسلامی حکومت اور اس کے بعد حقیقی معنی میں اسلامی معاشرہ اور پھر اسلامی تمدن وجود میں آئے تو اس عظیم مشن کے تناسب سے دینی درسگاہیں بھی اپنی ذمہ داریوں پر عمل کریں۔ انھیں کیا کرنا چاہئے؟ انھیں بیٹھ کر غور کرنا چاہئے۔ یہ آپ کے فکری موضوعات اور بحثوں میں سے ایک ہے۔

ہمارے سامنے ایک مسئلہ حوزہ علمیہ کی شناخت، اس کی ماہیت کا ہے کہ حوزہ علمیہ کیا ہے؟ حوزہ علمیہ وہ مرکز ہے جہاں عالم دین کی تربیت کی جاتی ہے اور عالم دین وہ شخص ہے جو دینی معارف و تعلیمات کا درس حاصل کرتا ہے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے میدان میں اترتا ہے۔ اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس طالب علم کا تخصص اور اسپیشلائیزیشن فقہ ہے یا علوم عقلیہ جیسے فلسفہ ہے یا پھر علم کلام اور عقائد کی بحثوں پر اس نے کام کیا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمارے بزرگوار امام ایک عظیم فقیہ تھے۔ واقعی آپ ایک بڑے فقیہ تھے اور ساتھ ہی 'عرفان نظری' میں بھی آپ ایک مکمل مجتہد اور صاحب نظر انسان تھے۔ یا آپ کے استاد مرحوم شاہ آبادی، ایک دفعہ امام (خمینی) نے یہ بات خود مجھ سے کہی تھی کہ "آپ یہ نہ سمجھئے کہ آقای شاہ آبادی جد وجہد اور تحریک سے الگ تھے، وہ بھی جد وجہد کرتے تھے۔" اب مجھے خود ان کے الفاظ یاد نہیں ہیں، البتہ میں نے کسی جگہ نوٹ کیا ہے کہ مرحوم شاہ آبادی جو اتنے عظیم عارف تھے، امام خمینی سے کہتے تھے؛ "اگر میرے کچھ مددگار ہوتے تو میں قیام کر دیتا۔" اس طرح کے الفاظ تھے اور اس مضمون کا جملہ کہا تھا۔ تو قم کے حوزہ علمیہ اور دیگر دینی درسگاہوں کی یہ ماہیت و شناخت ہے۔ یہ حوزہ علمیہ کی اصلی شناخت ہے۔ حوزہ علمیہ میں جو کام بھی ہو رہا ہے وہ اس فکر و نظر کے ساتھ انجام پانا چاہئے۔ جس مہارت کی بات آپ کرتے ہیں، جن نظاموں کا آپ مطالبہ کرتے ہیں، صلاحیتوں کی نشان دہی کے لئے جو تجاویز آپ دے رہے ہیں، یہ ساری اچھی باتیں اسی دائرے اور تناظر میں انجام پانی چاہئیں۔

ان مسائل و موضوعات کے بارے میں بھی جن کا دین سے براہ راست رابطہ نہیں ہے، جیسے علم طبیعیات وغیرہ جن کا دینی فکری ڈھانچے سے براہ راست رابطہ نہیں ہے، حوزہ علمیہ کو چاہئے کہ سمت کا تعین کرے۔ یعنی علمی و سائنسی سرگرمیوں اور کاوش کی سمت کے تعین میں دینی درسگاہیں اپنا کردار ادا کریں۔ اس لئے کہ یہ دین کا کام ہے۔ علم و سائنس کو دین ہی صحیح سمت دکھاتا ہے۔ علم بشر کی خدمت بھی کر سکتا ہے اور بشریت کے خلاف بھی کام کر سکتا ہے، انصاف کی خدمت کر سکتا ہے اور ظالمین،

مستکبرین اور طاغوتوں کا مددگار بھی واقع ہو سکتا ہے، چنانچہ آج یہی ہو رہا ہے۔ تو علم و سائنس کو صحیح سمت دکھانا بھی حوزہ علمیہ کا کام ہے

میں نے یہاں کچھ آیتیں نوٹ کی تھیں جو آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ اب اذان کو چند منٹ سے زیادہ نہیں بچے ہیں لہٰذا اب اس کا موقع نہیں ہے۔

ایک نکتہ درس پڑھنے کے تعلق سے بھی عرض کر دوں۔ درس پر بڑی سنجیدگی سے توجہ دیجئے۔ فقہ کے درس کو پوری سنجیدگی کے ساتھ پڑھئے۔ آپ دیکھئے کہ عالم دین اسلامی معارف و تعلیمات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کہاں سے؟ کتاب سے، سنت سے اور عقل سے۔ یہی تو ہے نا۔ اس کا کچھ حصہ عقل سے مربوط ہے، کچھ حصہ قرآن سے مربوط ہے اور کچھ حصہ سنت اور روایتوں سے مربوط ہے۔ یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اسے کیسے حاصل کرنا ہے۔ یہی اجتہاد ہے۔ اجتہاد یعنی مآخذ سے معارف اور تعلیمات کو اخذ کرنے کا طریقہ۔ یعنی وہ میتھڈ، انگریزی اصطلاح کے مطابق، البتہ میری پوری کوشش رہتی ہے کہ انگریزی الفاظ استعمال نہ کروں لیکن یہاں مجبور ہوں، جس کی مدد سے متعلقہ مآخذ سے معارف و حقائق کو نکالا جائے، یہی اجتہاد ہے۔ اگر انسان اس اجتہاد کی صلاحیت حاصل کرنا چاہتا ہے تو مشق ضروری ہے، اسے علمی کام کرنا ہوگا۔ یہ فقہی دروس جو آپ پڑھتے ہیں چاہے وہ طہارت کا سبق ہی کیوں نہ ہو، ویسے اب بعض طلاب کہتے ہیں کہ "جناب ہمیشہ طہارت اور نماز وغیرہ کی ہی بحث ہوتی ہے؟" اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ چیز جو آپ کو استنباط کی یہ روش سکھاتی ہے اور جو آپ کی ضرورت ہے۔ وہ کبھی طہارت کے مسئلے میں استعمال ہوتی ہے، کبھی نماز کے مسئلے میں استعمال کی جاتی ہے، کبھی تجارتی مسائل میں استعمال کی جاتی ہے، کبھی کرایہ کے مسئلے میں استعمال کی جاتی ہے۔ آپ کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ استنباط کیسے کیا جاتا ہے۔ اگر آپ نے استنباط کا طریقہ سمجھ لیا تو آپ قرآن و سنت سے اخلاقی اقدار کے سلسلے میں بھی استنباط کر سکتے ہیں۔ بعض کم علم افراد کی طرح نہیں جو چند باتیں پڑھ لیتے ہیں اور دینی مسائل کے بارے میں اظہار خیال کرنے لگتے ہیں، ہم ان کا احترام کرتے ہوئے انھیں کم علم کہہ رہے ہیں، جاہل نہیں کہہ رہے ہیں۔ کبھی کسی آیت سے کچھ استنباط کرتے ہیں، جبکہ اس آیت کا مفہوم کچھ اور ہے، اس کی وجہ آیت کو سمجھنے میں ان کی ناپختگی اور ان کا ناقص استنباط ہے۔ اسی وجہ سے اجتہاد ہو ہی نہیں پاتا۔ لہٰذا اجتہاد کے لئے خوب اچھی طرح درس پڑھنا ضروری ہے۔ البتہ میں نے یہ نہیں کہا کہ سب کے سب اجتہاد کریں، در حقیقت یہ تو واجب کفائی ہے۔ ممکن ہے کہ کچھ لوگوں کو مجتہد بننے کی ضرورت ہی نہ ہو۔ لیکن اسلامی معارف کو سمجھنے کے لئے اجتہاد ضروری ہے۔ تو ایک نکتہ یہ ہے کہ طالب علم درس بہت اچھی طرح پڑھے۔ آج کے روشن خیال طالب علم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے؛ "جناب ہٹایئے ان باتوں کو، ان دروس کو!" نہیں یہ مناسب نہیں۔ درس پڑھنا چاہئے۔

آج کے زمانے کے روشن خیال طالب علم کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ "جناب چھوڑئے یہ باتیں اور ہٹایئے یہ درس وغیرہ!" بالکل نہیں، درس پڑھنا ضروری ہے۔ خالی ہاتھ انسان محتاج ہوتا ہے۔ انقلاب کی تحریک کے زمانے میں ہم مکاسب اور کفایہ کا درس دیتے تھے۔ ہمارے ارد گرد کچھ بڑے جوشیلے طلبہ تھے مشہد میں جو واقعی بڑی محنت سے تحریک میں شامل تھے۔ لیکن میں کبھی کبھی ان کو باتیں کرتے سنتا تھا کہ "ارے بھئی یہ کیا ہے؟" میں ان سے کہتا تھا کہ اگر آپ یہ بحثیں نہیں پڑھیں گے تو کل اسلامی نظام کے کسی کام نہیں آ سکیں گے، استفادہ نہیں کر سکیں گے، لوگوں کو آپ کچھ سکھا نہیں سکتے۔ اسی لئے درس پڑھنا ایک بہت ضروری چیز ہے۔

ایک مسئلہ یہ ہے کہ حوزہ علمیہ میں ممکن ہے کہ گوناگوں مسائل کے بارے میں اختلاف نظر ہو۔ علمی مسائل میں تو اختلاف رائے رہتا ہی ہے، فکری سمت و رجحان میں اختلاف رائے رہتا ہی ہے، اسی طرح سیاسی مسائل کے بارے میں بھی اختلاف رائے ہونا ممکن ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ البتہ اختلاف رائے کو کنٹرول میں رکھا جانا چاہیئے۔ یہ خیال رکھئے کہ یہ اختلاف نظر ٹکراؤ، کشیدگی اور ایک دوسرے پر حملے کا سبب نہ بنے۔ ہمارے دینی مدارس میں اس کی متعدد مثالیں رہی ہیں۔ میں اس کی ایک نسبتا تازہ مثال پیش کرنا چاہتا ہوں۔ مرحوم الحاج شیخ مرتضی قزوینی رضوان اللہ علیہ مشہد میں ایک جید عالم دین تھے فلسفہ و عرفان کے مخالف تھے۔ یہ حقیر خود بھی ان کے عقیدت مندوں میں تھا اور آج بھی ہے۔ واقعی بڑے عظیم انسان تھے۔ مگر ان کا فکری رجحان یہی تھا۔ فلسفہ و عرفان کے مخالف تھے اور اس سلسلے میں کتاب بھی لکھی تھی اور اسے پڑھاتے بھی تھے۔ وہ مرحوم آقا میرزا مہدی اصفہانی کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے۔ امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) کی بات کی جائے تو وہ فلسفہ و عرفان کا ماحصل تھے، فلسفہ و عرفان کا نچوڑ تھے۔ ان دونوں میں بہت زیادہ فکری فاصلہ ہے۔ یعنی دو متضاد محور کی مانند ہیں۔ جب تحریک کا آغاز ہوا اور امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) نے ظاہر کر دیا کہ وہ اس تحریک کے قائد ہیں، امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) نے روز اول سے ہی یہ ثابت کر دیا تھا، تو آقا الحاج شیخ مجتبی قزوینی نے تمام تر فکری اختلافات کے باوجود مشہد سے اپنے ہمراہ ایک گروہ کو لیا اور امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) سے ملنے قم آ گئے۔ انھوں نے آکر اظہار عقیدت کیا۔ ۱۹۶۷ میں ان کا انتقال ہوا، اس وقت تک وہ انقلاب کی حمایت کرتے رہے۔ واقعی اس زمانے میں تحریک کا حصہ بننے والے ہم طلاب کے لئے مرکز امید مرحوم الحاج شیخ مجتبی تھے۔ حالانکہ امام (خمینی) سے ان کا فکری اختلاف نظر بھی تھا۔

آقا میرزا جواد آقا تہرانی مرحوم بھی ایک اور جلیل القدر عالم دین جو بعد کے دور میں تھے، وہ بھی فلسفہ و عرفان کے مخالفین میں سے تھے، ہم نے ان سے درس بھی پڑھا ہے۔ یہ اس کے مخالف تھے۔ آپ انقلاب سے قبل امام (خمینی رحمۃ اللہ علیہ) سے بڑی

محبت کا اظہار کرتے تھے۔ انقلاب کی کامیابی سے پہلے میں نے خود ان سے سنا تھا کہ کس طرح وہ امام سے اپنی محبت ظاہر کرتے تھے۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد وہ اٹھے اور محاذ جنگ پر پہنچ گئے۔ ستر اسی سال کا سن تھا، اٹھے، رضاکاروں والا لباس پہنا اور مارٹر گولوں کے سامنے جا کر ڈٹ گئے، جنگ میں مصروف ہو گئے۔ یعنی ہمارے یہاں اس طرح کے افراد تھے۔ یعنی فکری اختلاف رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود حقیقی معنی میں اتحاد و یکجہتی کے پاسباں تھے۔ ان کا عمل للہ، فی اللہ اور فی سبیل اللہ تھا۔

زمانہ قدیم میں بھی ایسے افراد تھے۔ صاحب حدائق مرحوم شیخ یوسف بحرانی اخباری تھے۔ البتہ ایسے اخباری جو واقعی بڑے جید عالم دین تھے۔ صاحب حدائق بہت بڑے علم دین تھے۔ اسی طرح محروم آقا بہبھانی، خالص 'اصولی عالم دین' تھے۔ وہ در حقیقت دینی علوم کے مرکز کی تاریخ کے ایک دور میں علم اصول کے پاسبانوں اور اس کا احیاء کرنے والوں میں تھے۔ یہ دونوں ہی افراد کربلا میں تھے۔ آپس میں بڑی سخت اور تند بحثیں ہوتی تھیں۔ مرحوم صاحب حدائق نے وصیت کی کہ جب میں اس دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو میری نماز جنازہ آقا باقر بہبھانی پڑھائیں اور ایسا ہی ہوا۔ یعنی دینی علوم کے مرکز میں یہ مثالیں موجود ہیں۔ البتہ اس کے الٹ بھی کچھ مثالیں ہیں، بلا وجہ کے تصادم، بے وجہ مخالفت، یہ چیزیں بھی رہی ہیں، لیکن ہمارے علمی اکابرین و عمائدین کا یہ شیوا رہا ہے۔

دینی درسگاہ میں طلاب کو چاہئے کہ ایک طرف بزرگ افاضل اور مراجع تقلید کے سلسلے میں ادب و احترام کا خیال رکھیں، چنانچہ امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے علمائے دین کی صنف کے لئے جو منشور پیش کیا ہے اس میں بھی یہ بات کہی گئی ہے۔ اکابرین اور بزرگ علماء کو بھی چاہئے وہ نوجوان اور نوخیز طلاب کے سلسلے میں تحمل اور رواداری کا ثبوت دیں۔ ایک جانب سے حلم و تحمل ضروری ہے اور دوسری جانب ادب و احترام ضروری ہے۔

حوالہ جات

۱۔ کافی، جلد ۱، صفحہ ۳۲۔

۲۔ سورہ حدید، آیت نمبر ۲۵۔

۳۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۴۶

۴۔ بحار الانوار، جلد ۱۲، صفحہ ۱۰

۵۔ سورہ توبہ، آیت نمبر ۱۲۳

۶۔ سورہ نساء، آیت نمبر ۷۶

۷۔ سورہ نساء، آیت نمبر ٦۴

۸۔ صحیفہ امام، جلد ۲۱، صفحہ ۲۷۳؛ علمائے دین، مراجع تقلید، مدرسین، طلاب اور ائمہ جمعہ والجماعت کے نام پیغام (علماء کا منشور) (مورخہ ۲۲ فروری ۱۹۸۹)

۹۔ سورہ نحل، آیت نمبر ٦۸ اور آیت نمبر ٦۹۔

https://urdu.khamenei.ir/news/۲۳۴۱